سیرت سیدۃ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

سیرت

سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاجُ القرآن پبلی کیشنز
365/ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور ○ پاکستان

جملہ حقوق بحقِ ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب	:	سیرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا
تصنیف	:	پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری
پروف ریڈنگ	:	ضیاء نیر، نعیم انور نعمانی
کتابت	:	محمد اخلاق چشتی
نگران طباعت	:	محمد جاوید کھٹانہ
اشاعت اوّل تا سوم	:	(7,100)
اِشاعت چہارم	:	مئی 2002ء (1100)
قیمت	:	-/25روپے
مطبع	:	منہاج القرآن پرنٹرز

نوٹ: ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے ریکارڈ شدہ آڈیو/ وڈیو کیسٹس اور CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے تحریکِ منہاج القرآن کے لئے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاج القرآن پبلیکیشنز)

www.minhajbooks.com
ISBN 969-32-0134-5

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَوْلَاے صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمْ

گورنمنٹ آف پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴-۱/۸۰ پی آئی وی، مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء، گورنمنٹ آف بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم ۴/۰۷-۹۷-۳۷، مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء شمال مغربی سرحدی صوبہ حکومت کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔۱/اے ڈی (لائبریری)، مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء اور آزاد حکومت ریاست جموں وکشمیر مظفرآباد کی چٹھی نمبر س ت/انتظامیہ ۶۳-۶۱-۸۰/۹۲، مورخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب ان صوبوں کے تمام کالجز اور سکولوں کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	پیش لفظ	۷
۱	ازدواجی زندگی کیلئے حضور ﷺ کا انتخاب	۱۱
۲	تاریخ اور دن کا تعین	۱۳
۳	غلاموں کی آزادی اور مال کا ایثار	۱۴
۴	ایک لمحہ فکریہ	۱۶
۵	حضور ﷺ کی ازدواجی زندگی کا ایک تابندہ و روشن پہلو	۲۰
۶	بیوہ سے شادی ------- ایک قابل تقلید مثال	۲۲
۷	ام المومنین حضرت خدیجہؓ کا ایثار	۲۴
۸	پہلی نزول وحی اور آغاز نبوت کا دور	۲۵
۹	شعب ابی طالب میں محاصرہ و مقاطعہ	۳۰
۱۰	قابل رشک ازدواجی زندگی کے پچیس سال	۳۲
۱۱	حقیقی زندگی ------ ظاہر و باطن کی مکمل ہم آہنگی	۳۴
۱۲	حیاتِ طیبہ کا کوئی گوشہ چشم عالم سے مخفی نہیں	۳۶
۱۳	فطری زندگی سے ہم آہنگ توازن و اعتدال	۳۷
۱۴	قرآنی فلسفۂ ازدواج	۳۹
۱۵	تذکارِ خدیجہ الکبریٰؓ روایات کے آئینہ میں	۴۱
۱۶	حضرت خدیجہ سے قلبی تعلق کا عالم	۴۴
۱۷	سیدہ زینتؓ کا ہار ---- ایک رقت انگیز واقعہ	۴۸

پیش لفظ

وادیٔ مکہ کی کفر و شرک سے آلودہ فضاؤں میں جب صدائے حق بلند ہوئی تو اس پر خواتین میں سے سب سے پہلے لبیک کہنے اور پیغامِ حق کو دل و جان سے قبول کرنے کی سعادتِ عظمیٰ سیّدہ عالم حضرت خدیجہؓ کے حصے میں ہی آئی۔ انہوں نے ساری زندگی حضور ﷺ کی معیت و قرب میں رہ کر دین اسلام کی خدمت کرتے ہوئے گزار دی۔ سیّدہ خدیجہؓ نے اپنی فہم و فراست، حکمت و تدبر، خدمت و اطاعت، ہمدردی و خیر خواہی، سلیقہ شعاری و معاملہ فہمی، پاکیزہ اخلاق و سیرت، رحم دلی و غریب پروری جیسی صفات عالیہ کے ایسے روشن مینار قائم کئے جن کی نورانی شعاعوں سے عالم نسوانیت قیامت تک روشنی و راہنمائی حاصل کرتا رہے گا۔

فروغ و اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں سیّدہ خدیجہؓ نے نہ صرف اپنا سارا مال و متاع دہلیزِ مصطفےٰ ﷺ پر قربان کیا بلکہ خود کو بھی اس امرِ عظیم کے لئے وقف کر دیا تھا۔ حضور نبیٔ اکرم ﷺ کی رضا و خوشنودی کا حصول اور آپ کی ہر خواہش و حکم کی تعمیل ہی آپ کا مقصدِ حیات تھا اور شب و روز یہی وظیفۂ حیات بھی تھا، حتّٰی کہ سارے تعلقات اور رشتے بھی اس دَر پر نثار کر دیئے تھے۔ یہی تعلق اور رشتہ سب تعلقات اور رشتوں پر فائق ہو گیا تھا، اسی میں دنیا بھی تھی اور آخرت بھی، اللہ کی رضا بھی تھی اور رسولِ اکرم ﷺ کی خوشنودی بھی۔

سیّدہ خدیجہؓ جود و سخا کا پیکرِ اَتم تھیں، دکھی انسانیت کیلئے سہارا تھیں، ناداروں اور بیکسوں کے لئے مرکزِ امید تھیں، بے نواؤں کی فریاد رسی کرتیں، یتیموں اور بیواؤں کی مدد و اعانت کرتیں، غرضیکہ جو بھی سائل آیا دامن مراد بھر کر لے گیا، یہی وہ کردار تھا جس کے باعث لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے۔ یوں

بڑی تیزی سے اسلام کی روشنی چار سوئے عالم سایہ فگن ہونے لگی۔

حضرت سیّدہ خدیجہؓ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ازدواجی زندگی اتنی سلیقہ شعاری و دانشمندی اور محبّت و مؤدّت کے ساتھ گزاری کہ حضور نبی اکرم ﷺ سیّدۂ عالم کے وصال کے بعد بھی اکثر و بیشتر بیتے ہوئے دنوں کو یاد کرتے اور سیّدہ خدیجہ کے اوصاف و کمالات بیان کرتے تو بقیہ ازواج مطہرات جذباتِ رشک سے مملو ہو جاتیں۔ در حقیقت حضور ﷺ کی محبت اور پیار جتنا سیّدہ خدیجہ کو ملا اتنا کسی بھی زوجہ کو نہ مل سکا۔ ایک روز حسبِ عادت جب حضور نبی اکرم ﷺ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی تعریف و توصیف فرما رہے تھے تو حضرت عائشہؓ سے رہا نہ گیا اور عرض کرنے لگیں "یارسول اللہ! (ﷺ)، وہ تو ایک بوڑھی بیوہ تھیں خدا نے ان سے بہتر زوجہ آپکو دی ہے"۔ یہ سن کر چہرۂ نبوّت پر سخت ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے حتّٰی کہ چہرۂ اقدس سرخ ہو گیا۔ آپ فرمانے لگے۔

"ان سے اچھی بیوی مجھے نہیں ملی وہ مجھ پر ایمان لائیں اس وقت جب سب کافر تھے' انہوں نے میرا ساتھ دیا اس وقت جب سب میرا ساتھ چھوڑ گئے' انہوں نے میری تصدیق کی اس وقت جب سب جھٹلا رہے تھے' انہوں نے اپنا مال و دولت اسلام پر قربان کیا' خدا نے ان کے بطن سے مجھے اولاد دی"۔ (ابن عساکر ۱: ۳۰۲)

اس ارشادِ گرامی سے ان دونوں مقدّس ہستیوں کی ازدواجی زندگی کا ایک ایسا اسوہ سامنے آتا ہے جس کے اپنانے اور نبھانے سے کامیاب ازدواجی زندگی کی کامل ضمانت میسّر آتی ہے۔ خوشی و غمی کے حالات میں سیّدہ حضرت خدیجہؓ حضور اکرم ﷺ کے شانہ بشانہ رہیں۔ مصائب و آلام کی کٹھن ساعتوں میں نہ صرف خود ثابت قدم رہیں بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی دلجوئی بھی کرتی رہیں۔ سو اس اعتبار سے آپ عزم و ہمت' جرأت و شجاعت اور ہمت و استقامت کا کوہِ گراں تھیں' فراخی و تنگی ہر حال میں صابر و شاکر رہیں۔

زیرِ نظر کتاب مفکرِ اسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدّ ظلّہ العالی کے سیرت

النبی کے خطابات میں سے ایک خطاب حضور نبی اکرم ﷺ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ کی ازدواجی زندگی کی مرتبہ صورت ہے یہ کتاب مسلم معاشرے میں کامیاب ازدواجی زندگی کا عملی طریقہ بھی بتاتی ہے اور فکری سلیقہ بھی۔ سو اس اعتبار سے حضرت خدیجہ ؓ کی سیرت و عادات رہتی دنیا تک خواتین کیلئے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہیں جس سے روشنی و راہنمائی اخذ کرنے والیوں کیلئے سلامتی و عافیت بھی ہے اور اطمینان و سکون بھی۔

قارئین سے التماس ہے کہ دورانِ مطالعہ اگر کسی جگہ لفظی و معنوی خامی ملاحظہ فرمائیں یا بہتر تجویز ہو تو تعمیری اصلاح کرتے ہوئے ضرور نوازیں۔ باری تعالیٰ ہمیں ان مقدّس نفوس کی سیرت سے اپنی سیرت و کردار کو مزیّن کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین ﷺ

نعیم انور نعمانی

خادم

ڈاکٹر فرید الدین اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

سرور دو جہاں علیہ التحیۃ والثناء کی سیرت مطہرہ کا ہر ہر گوشہ اور ہر ہر پہلو خواہ اس کا تعلق قبل از بعثت زندگی مبارکہ سے ہو یا اعلان نبوت کے بعد کی حیات طیبہ سے، ابدالآباد تک تمام عالم انسانیت کے لئے ایک روشن و تابندہ مثال اور بہمہ وجوہ مکمل و اکمل نمونہ عمل ہے۔ یہی سبب ہے کہ قرآن حکیم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے کفار و مشرکین کو اس جانب متوجہ کرتے ہوئے ان الفاظ میں کھلا چیلنج دیا گیا:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ [۱]	پھر میں تو ایک عمر (چالیس سال کی طویل مدت تک) اس سے قبل تم میں رہ چکا ہوں کیا تم (بالکل نہیں سمجھتے؟

یہاں ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے اس انتہائی پاکیزہ گوشے سے اپنے قارئین کو روشناس کرا رہے ہیں جس کا تعلق آپ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مبارک ازدواجی زندگی سے ہے۔

ازدواجی زندگی کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتخاب

حضرت خدیجہ بہت ہی دانا اور سمجھ دار عورت تھیں انہوں نے بڑے بڑے

[۱] یونس، ۱۰: ۱۶

مالداروں کے رشتے ٹھکرا دیئے اور حضور ﷺ کے ساتھ نکاح کے لئے فوراً تیار ہو گئیں کیونکہ انہیں پتہ چل گیا تھا یہ مستقبل کے ایسے عظیم انسان ہیں جن کے پایہ تک کوئی نہیں پہنچ سکے گا۔

انہوں نے سب کام چھوڑ دیئے اور ایسی سہیلیاں تیار کیں جو حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پہنچ کر شادی کی بات کریں اور آپ ﷺ کو نکاح کی ترغیب دیں۔

نفیسہ کہتی ہیں۔

فارسلتنی دسیسا الی محمد ﷺ بعد ان رجع فی عیرھا من الشام

(الطبقات الکبریٰ '۱:۱۳۱)

جب حضور ﷺ شام سے واپس تشریف لائے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مجھے فوراً آپ کی خدمت میں بھیجا کہ اس سلسلے میں بات کروں۔

دوسری روایت میں ہے۔

ان خدیجة قالت لاختھا انطلقی الی محمد فاذکرینی لہ

(الطبقات الکبریٰ '۱:۱۳۲)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بہن سے کہا: فوراً سیدنا محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ اور ان کے سامنے میرا ذکر کرو۔

ان روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ جلد سے جلد رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے لئے بے قرار ہوگئیں تھیں تاکہ یہ دولت نایاب کسی اور کے حصے میں نہ چلی جائے اور کسی کو ان اعجازی شانوں کا پتہ نہ چل جائے جو ان کے علم میں آگئی ہیں اس لئے انہوں نے اپنی کوششیں تیز تر کر دیں۔ اسی سلسلہ میں سماوی کتابوں کے ماہر ورقہ بن نوفل کے پاس بھی گئیں۔

و کان ابن عمھا و کان نصرانیا فقال ورقة لئن کان ھذا حقا یا خدیجة ان محمدا نبی ھذہ الامة قد عرفت انہ کائن

"وہ ان کا چچا زاد بھائی تھا اور نصرانی ہو چکا تھا اس نے کہا! اے خدیجہ! جو باتیں میسرہ نے بتائی ہیں اگر وہ سچی ہیں تو جان

لهذہ الامۃ نبی ینتظر۔ هذا زمانہ
(البدایہ والنھایہ ۲:۲۹۶)

لے سیدنا محمد ﷺ ان امت کے نبی ہیں۔ مجھے پہلے ہی پتہ تھا کہ اس امت کا نبی آنے والا ہے اس کا انتظار کیا جا رہا ہے اور اس کے ظہور کا یہی زمانہ ہے"۔

یہاں سے بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شوق کو غذا ملی انہیں سو فیصد یقین ہو گیا کہ ختم نبوت کے تخت و تاج کے وارث آپ ﷺ ہی ہیں اب اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے انہوں نے بزرگوں تک بات پہنچائی باپ فوت ہو چکے تھے صرف چچا زندہ تھے جن کا نام عمرو بن اسد تھا بزرگ بھائی ورقہ بن نوفل بھی تھا انہوں نے حضرت ابو طالب سے بات کی جو انہوں نے حضور ﷺ کے مشورے کے بعد منظور کر لی اور شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

حضرت خدیجہ کو ایک عظیم انسان کے ساتھ وابستگی کی روحانی خوشی تھی وہ حضور ﷺ کو کسی اور ہی روپ میں دیکھتی تھیں اس لئے محبت پر عقیدت کا عنصر غالب تھا۔

تاریخ اور دن کا تعین

جانبین کے متفقہ فیصلہ سے وقت اور دن کا تعین ہو گیا' حضور ﷺ کے ہمراہ آپ ﷺ کے چچا حضرت ابو طالب اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ معززین قریش بھی سیدہ خدیجہ" کے گھر گئے' حضرت خدیجہ" کے والد خویلد کا پہلے سے انتقال ہو گیا تھا اس طرف سے بھی ان کے چچا عمرو بن اسد اور ورقہ بن نوفل نے بارات کا استقبال کیا۔ خطبہ نکاح حضرت ابو طالب نے پڑھا۔

الحمد للہ الذی جعلنا من ذریۃ ابراھیم وزرع اسماعیل وضئضئی معد وعنصر مضر وجعلنا حضنۃ بیتہ وسواس حرمہ وجعل لنا بیتا

"تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہمیں حضرت ابراہیم کی اولاد حضرت اسماعیل کی نسل سردار معد کی صلب اور سردار مضر کی اصل سے پیدا فرمایا اور

محجوجا وحرما امنا وجعلنا الحكام على الناس ثم ان ابن اخي هذا' محمد بن عبد الله لا يوزن برجل الا رجح به شرفا ونبلا وفضلا وعقلا۔ فان كان في المال قل فان المال ظل زائل ومحمد ممن قد عرفتم قرابته وقد خطب خديجة بنت خويلد وبذل لها ما اجله وعاجله من مالي كذا وهو والله بعد هذا له نبا عظيم وخطر جليل جسيم

(زرقانی علی المواہب' ۱:۲۰۱)

ہمیں خانہ کعبہ کا خادم اور حرم شریف کا منتظم بنایا ہمیں ایسا گھر دیا جس کا حج کیا جاتا ہے اور ایسا حرم دیا جو امن کا گہوارہ ہے اور ہمیں لوگوں پر حاکم بنایا۔ میرا بھتیجا محمد بن عبد اللہ علم وحکمت اور فضل وشرف میں بے مثل ہے۔ اگرچہ اس کے پاس ظاہری مال کم ہے مگر اس مال کی حیثیت ہی کیا ہے یہ تو ایک ڈھلتی چھاؤں ہے ان کی نسبی قرابت داری سے آپ آگاہ ہیں چنانچہ انہوں نے خدیجہ بنت خویلد کے ساتھ رشتہ ازواج میں منسلک ہونے کی خواہش کی ہے اور اتنا اتنا مہر معجل اور مؤجل (بیس اونٹ) ادا کیا ہے ان کا مستقبل بہت درخشاں اور عالیشان ہے۔

اصدقها عشرين بكرة وكانت اول امراة تزوجها ولم يتزوج عليها غيرها حتى ماتت

البدایہ والنہایہ ۲:۲۹۴

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہ ؓ کو بیس اونٹ مہر دیا اور آپ سب سے پہلی خاتون ہیں جن سے آپ نے نکاح فرمایا اور یہ شرف بھی انہی کو حاصل ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے آپ نے کسی اور کے ساتھ نکاح نہیں فرمایا۔

جب حضرت ابو طالب اپنا خطبہ ختم کر چکے تو ورقہ بن نوفل نے خطبہ پڑھا۔

الحمد لله الذي جعلنا كما ذكرت وفضلنا على ما عددت فنحن سادة

تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہمیں ایسا ہی پیدا کیا جیسا کہ آپ نے

العرب وقادتها وانتم اهل ذالک کله لاتنکر العشیرة فضلکم ولایرد احد من الناس فخرکم وشرفکم وقد رغبنا فی الاتصال بحبلکم وشرفکم .فاشهدوا علی یا معاشر قریش! بانی قد زوجت خدیجة بنت خویلد من محمد بن عبد الله علی اربعمائة دینار

(زرقانی علی المواہب '۱: ۲۰۳)

بتایا اور ان لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی جن کو آپ نے شمار فرمایا بے شک ہم عرب کے قائد و سردار ہیں اور آپ اس سیادت کے اہل ہیں کوئی خاندان آپ کی فضیلت کا منکر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی آپ کے فخر و شرف کو چیلنج کرتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے دل میں آپ کے ساتھ رشتہ داری قائم کرنے کی خواہش و رغبت پیدا ہوئی ہے پس تم گواہ ہو جاؤ اے گروہ قریش! کہ میں نے "چار سو دینار حق مہر" کے عوض محمد بن عبد اللہ کے ساتھ خدیجہ بنت خویلد کا نکاح کر دیا۔

یہ ازدواجی خطبہ پڑھ کر ورقہ بن نوفل چپ ہو گئے۔ ابو طالب نے کہا۔

قد احببت ان یشرکک عمها

اے ورقہ! میں چاہتا ہوں خدیجہ کا چچا بھی آپ کے ساتھ نکاح کرنے میں شریک ہو جائے۔

یہ سن کر عمرو بن اسد نے اسی طرح کیا۔

اشهدوا علی یا معشر قریش! انی قد انکحت محمد بن عبد الله خدیجة بنت خویلد

اے گروہ قریش! گواہ ہو جاؤ کہ میں نے محمد بن عبد اللہ کے ساتھ خدیجہ کا نکاح کر دیا۔

فقبل النبی ﷺ النکاح وشهد علی ذالک صنادید قریش

حضور ﷺ نے نکاح قبول کیا اور سرداران قریش نے گواہی دی۔

(زرقانی علی المواہب '۱: ۲۰۳)

غلاموں کی آزادی اور مال کا ایثار

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اتنی خوشی ہوئی کہ تمام غلام آزاد کر دیئے تاکہ یہ شادی ان کے لئے یادگار بن جائے اور وہ ساری زندگی خوش ہوتے اور دعائیں دیتے رہیں، اپنی کنیزوں کو حکم دیا کہ دف بجا بجا کر خوب اظہار مسرت کریں۔

حضرت خدیجہ نے سرکار کے قرب کی دولت سرمدی پاکر اپنی ساری دولت آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دی اور عرض کی:

"میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس کے مالک ہیں جس طرح چاہیں تصرف فرمائیں میرا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔" چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ یہی مال بعثت کے بعد نصرت اسلام کا سبب بنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم معاشی فکر سے آزاد ہو کر دعوت دین کا فریضہ کماحقہٗ نبھاتے رہے۔

آپ کی اس تقریبِ نکاح میں آپ کے قریبی رشتہ داروں اور احباب کے علاوہ رؤسائے مکہ نے بھی شرکت کی۔ نکاح کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعوتِ ولیمہ کا اہتمام فرمایا جس میں ایک روایت کے مطابق ایک اونٹنی اور بعض دیگر روایات کی رو سے دو اونٹنیوں کے ذبیح سے احباب واقربا کی ضیافت کا سامان کیا گیا۔

روایت کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

اولم علیھا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فنحر جزورا وقیل جزورین واطعم الناس وھی اول ولیمۃ اولمھا صلی اللہ علیہ وسلم (محمد رسول اللہ: ۴۹)	آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس موقع پر دعوت ولیمہ فرمائی۔ ایک یا دو اونٹنیاں ذبح کرائیں اور لوگوں کو کھانا کھلایا یہ پہلا ولیمہ تھا جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا۔

ایک لمحۂ فکریہ

اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوۂ مبارکہ کا یہ پہلو پکار پکار کر ہم

سے اس امر کا تقاضا کر رہا ہے کہ ان تمام غلط، بے جواز اور نا روا رسموں کا خاتمہ کر دیا جائے جو آج شومیٔ قسمت سے ہمارے معمولاتِ زندگی کا حصّہ بن چکی ہیں۔ ایک عرصے تک ہندو تہذیب و معاشرت اور باہمی میل جول کے اثرات کے نتیجے میں رسم و رواج کی زنجیروں نے پورے معاشرے کو جکڑ رکھا ہے۔ ہم نے جھوٹی عزت، وقار، نام و نمود اور برادری میں ناک رکھنے کے لئے شادی کو ایک ناقابلِ برداشت بوجھ بنا کر رکھ دیا ہے۔ نتیجۃً ہماری زندگی کے چشمے میں تصنّع، بناوٹ اور دکھلاوے نے تلخیوں، دکھوں اور رنج و آلام کا زہر گھول دیا ہے۔ کتنی ستم ظریفی ہے کہ شادی خانہ آبادی خوشیوں اور مسرتوں کا موجب بننے کی بجائے معاشی طور پر کمزور افراد کے چین، آرام اور سکون لُٹ جانے کا سبب بن رہی ہے۔

آیئے! ہم حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کو اپنے اوپر لازم کر لیں اور رسموں رواجوں کی زنجیروں کو کاٹ کر پھینک دیں۔ اس سلسلے میں ہمیں اپنے آپ سے یہ عہد کرنا ہوگا کہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّتِ مبارکہ کا احیاء کر کے ہی اُن انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں گے جو عدل و انصاف اور احسان پر مبنی اسلامی معاشرے کی تعمیر کے ضمن میں ہم پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُمتی ہونے کے ناطے عائد ہوتی ہیں۔

یاد رہے کہ اصلاحِ احوال کے لئے معاشرے میں تبدیلی کا عمل کہیں نہ کہیں سے شروع کرنا ہوگا اور کسی نہ کسی کو سبقت (INITIATIVE) کے جذبے سے کام لیتے ہوئے پہلا قدم اٹھانا ہوگا۔ آئیں! ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کی بجائے جوابدہی کے احساس سے سرشار ہو کر ابتدائے کار کی طرح ڈالیں۔ اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجِ ذیل ارشادِ گرامی کی روشنی میں ہمیں مثبت اور تعمیری طرزِ عمل اپنانا ہوگا:

حضرت عمرؓ سے روایت ہے:

قال: کُلّکُم راعٍ و — حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں

کلکم مسئول عن رعیتہ والرجل راع علی اھل بیتہ والمرأۃ راعیۃ علی بیت زوجھا وولدہ والعبد راع علی مال سیدہ وھو مسئول نکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ[۱]	سے ہر ایک چرواہا (نگران) ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحت افراد کے متعلق پوچھا جائے گا۔ آدمی اپنے گھر والوں کا نگران ہے اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اولاد کی نگران ہے۔ غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے پوچھا جائے گا۔ پس ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحت افراد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اس حدیثِ مبارکہ کی رو سے معاشرے میں موجود ہر انسان، چاہے اس کا تعلق زندگی کے کسی شعبے سے ہو، اپنے اہل و عیال اور متوسلین کے بارے میں نگران و جوابدہ ہے۔ قیامت کو جو کہ جزا و سزا کا دن ہے، ہر شخص سے اس کے حلقۂ اثر اور ماتحتوں کے بارے میں محاسبہ و مواخذہ کیا جائے گا۔ قرآن جھنجوڑ جھنجوڑ کر بنی نوعِ انسان سے کہہ رہا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنے اہل و عیال کو نارِ جہنم سے بچانے کے لئے متردّد و متفکر ہو۔

ارشادِ ربانی ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا	اے ایمان والو تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے

[۱] البخاری، کتاب النکاح ۲:۷۹۰

وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ ؎

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے ہم پر کتنی بڑی ذمہ داری عائد کی گئی ہے لیکن ہماری بے اتفاقی اور عدم توجہی ملاحظہ ہو کہ ہم اپنی اولاد کی پرورش اور کامیاب مستقبل کے لئے تو حتی الامکان اور اپنی بساط سے بھی بڑھ کر سعی و کوشش کرتے ہیں مگر اس عظیم ذمہ داری سے جو ہمارے کندھوں پر ہمارے پروردگار کی طرف سے ڈالی گئی ہے پہلوتہی کرنا ہم نے اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ اس طرح ہم اپنے اور اپنے اہل خانہ کے لئے آخرت کے بہت بڑے خسارے کا سامان پیدا کر رہے ہیں۔

اسے محض ہماری کٹ حجتی اور ٹال مٹول پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے اہل خانہ دیگر دنیاوی معاملات میں تو ہمارے تابع فرمان ہیں لیکن جب شادی و دیگر تقریبات کے سلسلے میں رسموں اور رواجوں کے بندھن کا ذکر درمیان میں آتا ہے تو ہم یہ کہہ کر آسانی سے اپنا دامن چھڑا لیتے ہیں کہ کیا کریں ہمارے اہل و عیال کب ہماری بات مانتے ہیں اور یہ کہ زمانے کے ساتھ چلنا ہی پڑتا ہے۔

اگر ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں تو ہمارا ضمیر ہم سے سوال کرتا ہے کہ کیا ہم میں ہر ایک کا فرض عین نہیں کہ اپنے دائرہ اختیار کے اندر عملی اقدام کرائے ایک باپ، بڑے بھائی یا خاندان کے بزرگ ہونے کے ناطے ان افراد کے جو ہمارے زیر کفالت ہیں دینی اخلاقی اور روحانی معاملات و احوال کی اصلاح کا فریضہ بجا لائیں اور ایسا بلا خوف لومتہ لائم کریں اور کسی بے جا منفی تنقید کو خاطر میں نہ لائیں اور اس بات کی مطلق پرواہ نہ کریں کہ دوسرے اس کے بارے میں کیا کہیں گے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ کسی بھی انقلابی تبدیلی کی راہ میں مخالفتوں اور مزاحمتوں کا آنا ناگزیر ہوتا ہے لیکن وہ جن کے ارادے جوان اور

؎ التحریم، ۶۶ : ۶

عزائم بلند ہوں ان باتوں کو پرِ کاہ کی اہمیت نہیں دیتے اور عزم و استقلال سے اپنی ڈگر پر چلتے رہتے ہیں۔

اس ضمن میں علامہ اقبالؒ نے کیا پتے کی بات کہی ہے!

حدیث بے خبراں است تو با زمانہ بساز
زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

(بے خبر اور نادان لوگوں کا کہنا ہے کہ تو زمانہ کے ساتھ موافقت اور ہم آہنگی اختیار کر۔ (میرا کہنا یہ ہے) اگر زمانہ تیرے ساتھ موافقت نہیں کرتا تو پروا نہیں تو زمانے کے ساتھ جنگ کر۔)

لازمی و لابدی امر ہے کہ ہمیں باہم مل کر اجتماعی سطح پر انقلابی تبدیلیاں معاشرے میں برپا کرنے کے لئے سرگرم عمل ہو جانا چاہیئے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے اور خوفِ خدا کی بجائے نام نہاد سماج کا خوف اپنے اوپر طاری کئے رہتے ہیں تو ہمارے اطاعتِ الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سب دعوے خام اور بے بنیاد ہیں۔ اگر ہمارے دعوے سچے ہیں اور ہمارے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں ہے تو سرورِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ پاک اور آپ کی بتائی گئی قرآن و سنّت پر مبنی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں کوئی عذرِ لنگ مانع نہیں ہونا چاہیئے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازدواجی زندگی کا ایک تابندہ و روشن پہلو

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی رفیقۂ حیات کو اپنے چچا حضرت ابوطالب کے گھر جہاں آپ اب تک مقیم تھے، لے آئے۔ آپ نے اپنی مبارک و فرخندہ شادی کی پہلی رات (شبِ زفاف) اسی گھر میں بسر کی لیکن اپنے

شفیق و غمگسار چچا کی مالی حالت کی کمزوری کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مستقلاً یہاں رہنا پسند نہ فرمایا اور ملحلے ہی دن حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے مشورے سے ایک علیحدہ گھر میں سکونت اختیار کر لی۔

یہاں ایک انتہائی توجہ طلب پہلو یہ ہے کہ ہر چند آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے چچا کے ساتھ تعلقات حد درجہ شفقت و محبت کے آئینہ دار تھے۔ آپ نے اپنی محبوب رفیقۂ حیات کے ازدواجی حقوق کو مقدم رکھا اور شادی کے بعد ایک علیحدہ زندگی کا آغاز کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے اس پہلو میں ان والدین کے لئے سبق ہے جو اپنے بیٹے کی شادی کے بعد اس سے خواہی نخواہی یہ توقع وابستہ کر لیتے ہیں کہ وہ اپنی ازدواجی زندگی ان کے ہاں گزار دے گا خواہ ان کی بہو کی مرضی اس میں شامل ہو یا نہ ہو۔

اس سلسلے میں ان کی بے جا ضد کے اثرات چنداں خوشگوار نہیں ہوتے اور پرسکون ازدواجی زندگی میں تلخیاں گھول دینے کا موجب بنتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ کا یہ تعلیماتی پہلو ہمارے پیش نظر رہنا چاہئے کہ اگر عورت شادی کے بعد علیحدہ زندگی کا آغاز کرنے کی متمنی ہو تو والدین کو اپنی اولاد کی خوشیوں کی خاطر اسے انا اور جھوٹی عزت و وقار کا مسئلہ نہیں بنا لینا چاہیئے اور انہیں اپنی بعد از شادی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے علیحدہ سکونت اختیار کرنے کی اجازت بطیب خاطر دے دینی چاہیئے۔ ایسا کرنا عین حکمت و مصلحت کا تقاضا ہے جس سے آئندہ کشیدہ تعلقات سے بچا جا سکتا ہے جو بسا اوقات بگاڑ کے نتیجے میں قطع رحمی پر منتج ہو جاتے ہیں۔ بریں بنا ان عوامل کے سدباب کے لئے جو خاندانوں میں باہمی شکر رنجی اور کشیدگی کا باعث بنتے ہیں۔ نوجوان جوڑوں کو بجائے مخلوط خاندان میں رہنے پر مجبور کرنے کے علیحدہ گھروں میں آباد کر دینا عین دانشمندی کا تقاضا ہے تاکہ ازدواجی زندگی میں پیار محبت اور باہمی اعتماد کی فضا قائم رہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کی ایک ممکنہ قابل عمل صورت یہ بھی

نکل سکتی ہے کہ اگر ایک مکان کی وسعت اس امر کی اجازت دے تو والدین اور شادی شدہ جوڑے علیحدہ علیحدہ رہائشی یونٹ قائم کر کے ساتھ ساتھ رہ سکتے ہیں۔ اس طرح خوش آئند مستقبل اور بہتر سازگار حالات کے زیادہ روشن امکانات پیدا کئے جا سکتے ہیں بہر حال بہتر یہی ہے کہ اگر معاشی حالات سازگار ہوں تو ازدواجی تعلقات کو خوشگوار رکھنے کے لئے نوشادی شدہ جوڑوں کو علیحدہ مکانوں میں سکونت اختیار کرنے کے مواقع فراہم کئے جائیں۔

بیوہ سے شادی ـــــ ایک قابل تقلید مثال

آقائے دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ اور سیرت مطہرہ کا ایک قابل تقلید پہلو یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اس وقت جب وہ بیوگی کی زندگی بسر کر رہی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حبالہ نکاح میں آنے سے پہلے وہ دو بار شادی کر چکی تھیں۔ ایک شوہر کا نام عتیق اور دوسرے کا نام ابو ہالہ تھا۔ ان شوہروں سے حضرت خدیجہؓ کی اولاد بھی تھی۔ ایک روایت کے مطابق شادی کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس تھی جب کہ دوسری روایت میں اٹھائیس برس عمر کا تذکرہ ملتا ہے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک ابھی پچیس برس تھی۔

پہلے شوہروں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی اولادیں اپنے متوفی والدوں کے خاندانوں میں پرورش پا رہی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں اپنے ہاں منتقل نہ کیا بلکہ وہ بدستور اپنے آبائی خاندانوں میں سکونت پذیر رہے تاہم وہ کبھی کبھار ملنے کے لئے آتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے انتہائی شفیق والد کی طرح پیار کرتے۔ اسی پیار اور محبت و انس کا نتیجہ تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور دولت اسلام نصیب ہونے کے بعد شرف صحابیت سے بھی سرفراز ہوئے

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جب حضرت ہالہ رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت کرتے تو یوں کہتے کہ میرے ماموں نے یہ فرمایا، جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی نسبت سے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔

یہ بات اس امر کی غماز ہے کہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باہمی تعلقات محبت و شفقت سے عبارت تھے۔

سرور کون و مکان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس زمانے کے جاہل عرب معاشرے میں جہاں بیوہ سے شادی کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا حضرت خدیجہؓ سے شادی کر کے جو بیوگی کی زندگی بسر کر رہی تھیں ایک روشن و قابل تقلید مثال قائم کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی وفات تک دوسری شادی نہ کی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جتنی بھی شادیاں کیں ان میں سوائے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے باقی سب بیوہ یا مطلقہ تھیں۔ اس سے ان متعصب اور بدبخت یہود و نصاریٰ مستشرقین اور نام نہاد مفکرین کے بے بنیاد الزامات کی قلعی کھل جاتی ہے جو تعدد ازدواج کے ضمن میں وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر لگاتے رہتے ہیں۔ ان کا مذموم مقصد دراصل اسلام کے خلاف زہر اگلنا ہوتا ہے اور وہ خبث باطن کے ہاتھوں ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تعدد ازدواج کی بنا پر انگشت اعتراض بلند کرنے والے اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ اگر اس میں کوئی ذاتی نفسانی خواہش اور مصلحت کارفرما ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین بچوں کی ماں اور چالیس سالہ بیوہ سے عقد کرنے کی بجائے کسی نوجوان دوشیزہ سے بیاہ کرتے۔

بیواؤں سے نفرت کرنے والے معاشرے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ روایت شکن اقدام رسم و رواج کے بتوں کو توڑنے کے مترادف تھا۔ اگر، خاکم بدہن نفسانی خواہشات کی تسکین کا معاملہ پیش نظر ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مطلقہ، بیوہ اور معمر خواتین سے عقد کرنے کی بجائے پیکران حسن و شباب سے نکاح کرتے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ آپ نے بیوہ اور مطلقہ خواتین کو اپنے

عقد میں لا کر معاشرے کی دھتکاری ہوئی عورت کی عزت و وقار کو قائم کیا۔

اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق و محبت کا ہمارا دعویٰ سچا ہے اور آپ کے تذکار سیرت سے ہم محض سر دھننے پر اکتفا نہیں کرنا چاہتے تو ہمیں بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کو معاشرے کا دھتکارا ہوا طبقہ نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں انہیں رشتۂ زوجیت میں لا کر ان کی عزت و وقار کو بحال کرنے کے عملی اقدامات کرنا ہوں گے۔ اس دور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سنّت کو نئے سرے سے زندہ کرنا ایک بہت بڑا جہاد ہوگا۔ اس ضمن میں ہندو معاشرت اور تہذیب و ثقافت کے اثرات کو قبول کرتے ہوئے ہم نے جو بلا جواز پابندیاں (CONSTRAINTS) اور نا رَوا قدغن (TABOOS) سنّت مطہرہ کی عطا کردہ تعلیمات کو پس پشت ڈال کر اپنے اوپر عائد کر رکھے ہیں انہیں توڑنے کے لئے ہمارے دینی رہنماؤں اور مبلّغین کو آگے آنا چاہیئے

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ایثار

آقائے دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رشتۂ زوجیت میں منسلک ہونے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جن کا شمار اس وقت مکّہ کے متموّل افراد میں ہوتا تھا، اپنی ساری دولت رفاہی کاموں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں ڈھیر کر دی۔ اعلانِ نبوّت کے بعد جب آپ نے دینِ اسلام کے فروغ کے سلسلے میں اپنے آپ کو دعوت و تبلیغ کے لئے وقف کر دیا تو تاریخ اسلام گواہ ہے کہ اس اوائل دور میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی دولت ہی آپ کے کام آئی۔ اس طرح ان کا مثالی جذبۂ ایثار و قربانی اور اپنے شوہر نامدار کے مشن سے والہانہ وابستگی اور بے نفسی مال و دولت سے بے نیازی اور شانِ استغنا کی مظہر تھی۔ یہی سبب تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس رفیقۂ حیات سے کمال درجہ محبت تھی اور ان کے اس دنیائے فانی سے رحلت فرما جانے کے بعد ان کی یاد کبھی آپ کے دل سے محو نہ ہو سکی اور آپ ان کا ذکر اپنی دیگر ازواجِ مطہرات سے فرمایا کرتے تھے۔

پہلی نزولِ وحی اور آغازِ نبوّت

جوں جوں بعثت کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا سرورِ دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا یہ معمول تھا کہ آپ آبادیوں اور شہر کے ہنگاموں سے دُور نکل جاتے اور زیادہ سے زیادہ وقت خلوت نشینی میں بسر کرتے۔ آپ علیہ السلام اکثر مکہ سے تقریباً تین میل دور ابوقبیس پہاڑ پر واقع ایک غار میں جو "غارِ حرا" کے نام سے موسوم ہے، تشریف لے جاتے اور وہاں کئی کئی دن معتکف ہو کر ذکر و فکر اور مراقبے میں مشغول رہتے۔ آپ اپنے ساتھ ستو، کھجوریں اور کھانے پینے کا دوسرا سامان لے جاتے۔ خلوت نشینی کا عرصہ ہفتہ عشرہ اور کبھی کبھار چالیس دن پر بھی محیط ہوتا جسے عرفِ عام میں اصطلاحاً "چلہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس سے جو اکثر بزرگوں کی طرف چلہ کاٹنے کا عمل منسوب کیا جاتا ہے، اس کا مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ذہن میں رہے کہ اسے ترکِ دنیا نہیں کہا جا سکتا جو رہبانیت ہے اور اسلام میں جائز نہیں۔ چلہ یا اعتکاف میں تو اس لئے بیٹھا جاتا ہے کہ مکروہاتِ دنیا سے کچھ وقت نکال کر محبوبِ حقیقی کے ذکر اور یاد میں گزارا جائے جو اہلِ صفا اور اربابِ طریقت کا ہمیشہ سے معمول رہا ہے۔

دورِ بعثت سے قرب کا زمانہ وہ تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہنگاموں سے نفرت ہونے لگی اور آپ کے دل میں ویرانوں اور خلوت کدوں کی محبت و رغبت بڑھنے لگی شرک اور کفر و الحاد سے بیزاری ابتداہی سے تھی اور اہلِ نظر پہلے ہی تاڑ چکے تھے کہ بڑا ہو کر یہ جوانِ رعنا کسی ایسے نظام کی بنیاد رکھے گا جو صدیوں سے قائم کفر و شرک پر مبنی نظام کو زمین بوس کر دے گا۔ انجام کار وہ ساعت سعید آگئی جب غارِ حرا کے کنجِ تنہائی میں خالقِ حقیقی کی طرف سے اپنے محبوب کے نام پہلا پیغام آیا اور حضرت روح الامین بارگاہِ حق سے پانچ آیات لے کر آئے جن کا آغاز اس طرح ہوا:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ط [1] (اے محمدؐ!) آپ پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔

بارگاہ ایزدی سے اس پیغام کا آنا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ پسینے سے تر بہ تر ہو گئے، کپکپی سے جسم اطہر بخار کی سی کیفیت میں مبتلا ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کیفیت میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور لرزتی ہوئی آواز سے فرمایا،

زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ [2] مجھے کمبل اوڑھادو مجھے کمبل اوڑھادو

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ السلام کو ایک کمبل اوڑھادیا۔ تھوڑی دیر بعد جب ہیجانی اثرات زائل ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلیہ محترمہ کو ان کیفیات سے آگاہ فرمایا جو آپ پر غارِ حرا کے واقعہ کے بعد طاری ہوئیں۔ یہاں یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ پہلا پیغامِ حق موصول ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کپکپی کا طاری ہوجانا اور پسینے چھوٹ جانا کسی گھبراہٹ کی وجہ سے نہ تھا اور یہ بات بھی نہ تھی کہ آپ اس امر سے بےخبر تھے کہ مستقبل میں آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے بلکہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ پورے چالیس سال تک آپ کے جسمانی احوال وعوارض بشری زندگی کے خوگر ہوچکے تھے اور آپ پر اس کیفیت کا طاری ہوجانا عین تقاضائے فطرت تھا۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص دیر تک اندھیرے میں رہنے کے بعد اچانک تیز روشنی میں آجائے تو لمحہ بھر کے لئے اس کی آنکھیں روشنی سے چندھیا جائیں گی۔ یاد رہے کہ آنکھوں کی یہ چندھیاہٹ اس وجہ سے نہیں کہ وہ روشنی سے ناآشنا ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ طویل عرصہ تک اندھیرے سے وہ اس قدر مانوس ہوگئی تھیں کہ یک لخت تیز روشنی کا سامنا کرتے پر آنکھوں کا چکاچوند ہوجانا فطری بات ہے

---

[1] العلق ۹۶ : ۱ [2] البخاری کتاب الوحی

کچھ اسی طرح کی بشری کیفیت ہمارے آقا و مولا سرورِ دنیا و عقبیٰ علیہ التحیۃ والثنا پر بھی طاری ہوئی ۔ اس کی ایک توجیہہ یوں کی جا سکتی ہے کہ لاہوتی و لوری عالم سے تعلق منقطع ہوئے چالیس برس بیت چکے تھے ۔ بطنِ آمنہ رضی اللہ عنہا سے عالمِ بشریت میں ہویدا ہونے کے بعد اس طویل عرصے میں آپ طبعی طور پر دنیاوی احوال و معاملات کے عادی و خوگر تھے ۔ بارگاہِ الوہیت سے ناموس اکبر (جبرائیل امین) کے یکایک پیغام لے کر آنے سے اس خلافِ معمول کیفیت کا پیدا ہونا فطری امر تھا ۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ اقدس سے غارِ حرا میں پیش آنے والے احوال سنے تو ، روایات میں ہے کہ وہ بے اختیار آپ علیہ السلام سے لپٹ گئیں ۔ اللہ اللہ ! وہ کیا کیف آفریں منظر ہو گا جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھوں کے ہالے میں لئے ہوں گی ۔ انہوں نے آپ کو تسلی دی اور ڈھارس بندھائی اور حضور علیہ السلام سے کہا کہ یقین رکھیئے ! آپ کا خدا کبھی آپ کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا اس لئے کہ میں نے جب سے آپ کو دیکھا ہے آپ یتیموں ، مسکینوں ، بے نواؤں اور دکھی انسانوں کی خدمت کر رہے ہیں اور آپ بے سہاروں کا سہارا اور غمخوار و بہی خواہ ہیں ۔ اس لئے مجھے پختہ یقین ہے کہ خدا کبھی آپ کو تنہا اور ذلیل و رسوا نہیں ہونے دے گا ۔

روایت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے :

فقالت خدیجۃ : کلا	حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا : ہرگز
واللہ ما یخزیک اللہ ابدا	نہیں ۔ خدا کی قسم ! اللہ آپ کو کبھی رسوا
انک لتصل الرحم وتحمل الکل	نہیں کرے گا ۔ آپ تو صلہ رحمی کرنے
وتکسب المعدوم وتقری	والے ، کمزوروں کا بوجھ اٹھانے والے ،
الضیف وتعین علی نوائب	محتاجوں کیلئے کمانے والے ، مہمان

الحق ؁ نوازی کرنے والے ، راہِ حق میں مصائب سہنے والے ہیں ۔

اعلانِ نبوّت کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے آپ کو ہمہ تن دعوت و تبلیغ دین کے لئے وقف کردیا اور آپ کے لئے تجارتی مشاغل جاری رکھنا ممکن نہ رہا ۔ آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ پیغام توحید کو دور دراز علاقوں تک پھیلانے میں صرف ہونے لگا ۔ اس بت پرست معاشرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کلمۂ حق بلند کرنے کی دیر تھی کہ ہر طرف سے مخالفتوں اور مزاحمتوں کا طوفان سر اٹھانے لگا اور آپ پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سخت نامساعد حالات کے باوجود اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو شد و مد سے جاری رکھا اور کوئی بڑی سے بڑی مخالفت اور عداوت بھی آپ کو راہِ حق پر آگے بڑھنے سے باز نہ رکھ سکی ۔ مخالفت و مزاحمت کی ان آندھیوں میں صرف دو ہستیوں نے کھل کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ساتھ دیا ۔ وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضور علیہ السلام کے چچا حضرت ابوطالب تھے جو معاندینِ اسلام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان چٹان کی طرح کھڑے ہو گئے اور خون کے پیاسے دشمنوں سے آپ کو کوئی گزند نہ پہنچنے دیا ۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابوطالب کی مالی حالت مستحکم نہ تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے مشفق چچا کے کندھوں سے مالی بوجھ کم کرنے کے لئے ان کے بیٹے حضرت علیؑ کی پرورش اپنے ذمے لے لی اور دوسرے بیٹے حضرت جعفرؓ کو اپنے چچا حضرت عباسؓ کی تحویل میں دے دیا ۔ اس ضمن میں درج ذیل روایت کتبِ سیر میں ملتی ہے جسے ابنِ ہشام نے نقل کیا ہے :

ان قریشا اصابتھم ازمۃ جب قریش پر قحط کی آفت آئی اور

؁ البخاری : کتاب الوحی

شدیدة وکان ابوطالب ذا عیال کثیر فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم للعباس عمه وکان من أیسر بنی هاشم : یاعباس ! ان اخاك اباطالب کثیر العیال وقد اصاب الناس ماتری من هٰذه الأزمة . فانطلق بنا الیه فلنخفف عنه من عیاله . فاخذ رسول الله صلی الله علیه وسلم علیاً فضمه الیه واخذ العباس جعفراً فضمه الیه فلم یزل علیّ مع رسول الله حتی بعثه الله تبارك وتعالیٰ نبیا فاتبعه علیّ رضی الله عنه وامن به وصدقه

[1]

ابوطالب بہت بچوں والے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا عباس سے جو بنی ہاشم میں سب سے زیادہ خوش حال تھے فرمایا: اے عباس! آپ کا بھائی ابوطالب بہت بچوں والا ہے اور اس قحط کی وجہ سے لوگوں پر جو مصیبت آئی ہے وہ تم دیکھ ہی رہے ہو۔ پس میرے ساتھ چلو کہ اس کا کچھ بوجھ ہلکا کریں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی کو لے لیا اور انہیں اپنے ساتھ رکھا۔ حضرت عباس نے جعفر کو لے لیا اور اپنے ساتھ رکھا۔ پس علی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے پاس نبوت کا پیغام بھیجا تو حضرت علی نے آپ کی پیروی کی اور ایمان لائے آپ علیہ السلام کی تصدیق کی ۔

حضرت ابوطالب نے بذاتِ خود برادری کے خوف سے اسلام تو قبول نہ کیا لیکن

[1] السیرۃ النبویہ لابن ہشام ۔ ۱:۱۶۲

وہ آزمائش وابتلا کے نازک ترین لمحوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے سینہ سپر ہو کر کھڑے رہے ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نو عمری میں ہی آپ علیہ السلام کی تربیت کے زیرِ اثر دولتِ ایمان سے مالا مال ہو گئے اور ہر مرحلے میں آپ کے دست و بازو اور معین و مددگار بنے رہے۔

دوسری طرف حضور علیہ السلام کی محبوب رفیقۂ حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسلام قبول کرنے کے بعد بصد دل وجان اپنے آپ کو اور اپنی تمام دولت کو اسلام کے مشن کو فروغ دینے کے لئے وقف کر دیا اور ہر ابتلا و آزمائش میں آپ کا ساتھ دیا۔ اس ضمن میں روایت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔

ابن اسحٰق نے کہا:

وکانت (خدیجہ رضی اللہ عنہا) لہٗ وزیر صدق علی الاسلام یشکو الیہا وکان (ابو طالب) لہٗ عضداً وحرزاً فی امرہ ومنعۃ وناصراً علی قومہ [1]	حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تبلیغ اسلام میں سچی مددگار تھیں۔ آپ کے چچا ابو طالب آپ کے کاموں میں قوتِ بازو، نگران کار اور قوم کے مقابلے میں محافظ و مددگار رہے۔

ان دونوں ہستیوں کی موجودگی میں کسی کی مجال نہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بال بیکا بھی کرسکتا۔

شعبِ ابی طالب میں محاصرہ و مقاطعہ

جب دشمنانِ اسلام نے دیکھا کہ ظلم و جور اور مخالفت کی آندھیاں حق پرستوں

[1] السیرۃ النبویہ لابن ہشام۔ ۱: ۲۵۸

کے قدم نہیں ڈگمگا سکیں اور داعیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کاشن ان کی تمام سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے باوجود پھیلتا ہی جارہا ہے تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خاندان کا معاشی مقاطعہ (بائیکاٹ) کرنے کا فیصلہ کیا۔ تمام اہل قریش اور کفار و مشرکین متحد ہو کر اس بات پر تل گئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تبلیغ و دعوت اسلام سے باز رکھنے کے لئے بنو ہاشم سے ہر قسم کے معاشی اور معاشرتی تعلقات منقطع کر دیئے جائیں اور ان سے کوئی لین دین نہ رکھا جائے۔

حضرت ابوطالب نے جب معاندین و مخالفین کے یہ تیور دیکھے تو بے بسی کے عالم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"پیارے بھتیجے! میں تنہا کمزور و ناتواں آدمی حالات کا مقابلہ کہاں تک کر سکتا ہوں کیا یہ ممکن نہیں کہ میرے نازک کندھوں سے اس بوجھ کو ہلکا کر دیا جائے؟"

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عظیم استقامت و عزیمت اور ناقابلِ تسخیر عزم و حوصلہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"چچا جان: عداوت و مخالفت کا یہ سیلاب جو میرے چاروں طرف سے امڈ کر آیا ہے میرے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہیں کر سکتا۔ اگر شرق سے غرب تک تمام دنیا بھی میری مخالفت پر اتر آئے اور کوئی ایک متنفس بھی روئے زمین پر میرا حامی و مددگار نہ رہے تب بھی میں دعوتِ حق سے باز نہیں رہ سکتا۔"

جب حضرت ابوطالب نے قوتِ ارادی اور عزم و استقلال کا یہ عالم دیکھا تو بے اختیار پکار اٹھے:

"عزیز از جان بھتیجے! اگر تیرا عزم و ارادہ اتنا پختہ اور غیر متزلزل ہے تو جا اپنا کام کرتا رہ۔ جب تک ابوطالب کی جان میں جان ہے وہ اپنے خون کے آخری قطرے تک تیری حفاظت کی ذمہ داری سے دست بردار نہ ہوگا۔"

چنانچہ نازک ترین حالات اور سنگین ترین خطرات میں جب سرزمین مکہ کا ذرہ ذرہ آپ کے خون کا پیاسا تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوطالب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خاندان کے دیگر افراد کے ہمراہ اس گھاٹی میں حفاظت کے لئے محصور ہو گئے جسے شعب ابی طالب سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس گھاٹی میں جو ایک طرح کا قید خانہ تھا آپ اور آپ کے خاندان نے تین سال ناقابل بیان مصائب صعوبتوں اور تکلیفوں کے جلو میں بسر کیئے۔ جب تین سال بعد یہ مقاطعہ ختم ہوا اور قید و بند کی صعوبتوں سے رہائی نصیب ہوئی تو بیماری ضعف و کمزوری کے عالم میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا اور ابھی وہ سال ختم نہ ہوا تھا کہ حضرت ابوطالب بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس دوسرے صدمے کی بنا پر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی سال میں اٹھانا پڑے اس سال کو "عام الحزن" یعنی غم کا سال کہا جاتا ہے۔ وفات کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر پینسٹھ سال تھی۔

خوشگوار اور قابل رشک ازدواجی زندگی کے پچیس سال

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ خوش نصیب ترین خاتون ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تن تنہا طویل رفاقت کا عرصہ جو پچیس سال پر محیط ہے، گزارنے کا موقع نصیب ہوا۔ ان پچیس سالوں میں پندرہ سال اعلان نبوت سے پہلے کے اور دس بعد کے سال تھے۔ یہ تمام تر زندگی انتہائی پرمسرت اور خوشگوار تھی اور تمام امت کے لئے ایک روشن اور قابل تقلید مثال کا درجہ رکھتی ہے۔

ثقہ روایات کے مطابق حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ سے پندرہ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کا

دسواں سال تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک پچاس برس تھی کہ شعب ابی طالب کے واقعہ کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا رحلت فرما گئیں۔ چونکہ اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شفیق اور غمخوار چچا ابو طالب بھی انتقال کر گئے اس لئے اس سال کو "عام الحزن" یعنی غم و حزن کا سال قرار دیا گیا۔ کتب سیر میں اس کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے :

ثم بعد ذالك (وفاة ابی طالب) بثلاثة ایام وقیل بخمسة فی رمضان بعد البعث بعشر سنین علی الصحیح ماتت خدیجة ام المومنین رضی اللہ عنہا وکان صلی اللہ علیہ وسلم یقول ذالك العام عام الحزن وکانت مدة اقامتها معه صلی اللہ علیه وسلم خمسا و عشرین سنة علی الصحیح	حضرت ابو طالب کی وفات کے تین دن بعد (دوسری روایت کے مطابق) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے دسویں سال ۵ رمضان المبارک میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا انتقال ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کو غم کا سال قرار دیا اور سیدہ خدیجۃ الکبریٰ صحیح قول کے مطابق ۲۵ سال تک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہیں۔

(محمد رسول اللہ: ۴۹)

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی مبارک ازدواجی زندگی کے باب میں ہم نے گزشتہ صفحات میں قدرے شرح وبسط کے ساتھ ان احوال کا ذکر کیا تھا جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس چہیتی اور محبوب رفیقۂ حیات کا آپ کی ذات اور مشن سے محبت، وابستگی، قلبی تعلق، وفاداری و بے نفسی، حسن سلوک، بے دریغ مال و دولت خرچ کر دینے کا جذبہ اور ہر معاملے میں آپ پر اعتماد کس درجۂ کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ یہ سارے اوصافِ حمیدہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے اور جس انداز سے انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حقِ زوجیت ادا کیا وہ نہ صرف تاریخِ اسلام کا ایک انتہائی روشن باب ہے بلکہ طبقۂ نسواں کے لئے بصیرت افروز اور سبق آموز ہے۔

حقیقی زندگی ــــــ ظاہر و باطن کی مکمل ہم آہنگی

آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اندرونِ خانہ زندگی اور گھر کی چار دیواری سے باہر کی زندگی ظاہر و باطن میں کامل ہم آہنگی اور عدمِ تضاد کی آئینہ دار تھی اور اس کے ہر زاویے اور گوشے سے حقیقی زندگی کی جھلک نمایاں طور پر دکھائی دیتی تھی۔ اس ضمن میں یہ نکتہ خصوصیت سے قابلِ توجہ ہے کہ کسی فرد کی شخصیت کے بارے میں جاننے کے لئے اس کی درونِ خانہ زندگی کا جائزہ از بس ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ تو ممکن ہے کہ کوئی تصنع،

بناوٹ اور ظاہر داری کے لبادے میں اپنے اصلی چہرے کو ظاہر نہ ہونے دے اور نام نہاد پارسائی، زہد و تقویٰ اور عبادت گزاری کا ڈھونگ رچا کر لوگوں کو اپنے اصل کردار کے بارے میں دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جائے لیکن گھر کے اندر یہ منافقت اور ریاکاری کا کھیل نہیں چل سکتا اور بیوی بچوں اور دیگر اہل خانہ سے اس کی شخصیت کسی عنوان سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ ان کی نظروں سے ظاہر و باطن کے احوال میں پایا جانے والا تضاد اور دوغلہ پن آشکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس بنا پر اگر یہ کہا جائے کہ کسی شخص کی حقیقی زندگی کو پرکھنے کے لئے معیار اور کسوٹی اس کی گھریلو، عائلی اور نجی زندگی ہی ہے تو اس میں رتی بھر مبالغہ نہ ہوگا۔

عملی زندگی میں یہ بات عام مشاہدے میں آتی ہے کہ قبہ و دستار اور جبہ و عمامہ کے مالک بڑے بڑے جغادری قسم کے، عالمانہ وضع قطع رکھنے والے لوگ ظاہر میں جو نظر آتے ہیں، باطن میں اس سے یکسر مختلف ہوتے ہیں۔ ان کی درونِ خانہ اور بیرونِ خانہ زندگی غالب کے اس شعر کی عملی تفسیر اور عکاس ہوتی ہے۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

ایسے لوگوں کے اگر حقیقی جوہر دیکھنے ہوں تو ان کے حرم اور اہل خانہ سے دریافت کر کے ان کی اصلیت کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ بیویاں اپنے شوہروں کے رازوں کی امانت دار ہوتی ہیں۔ وہ گھر کے احوال بیرونی آنکھ سے پوشیدہ رکھنے میں ممد و معاون ہوتی ہیں تاکہ خارجی زندگی میں ان کے شوہروں کا بھرم بنا رہے۔

یہ عام دنیا دار لوگوں یعنی ہما شما کا حال ہے لیکن قربان جائیے آقائے کون و مکان سید المرسلین، فخر عرب و عجم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی داخلی اور خارجی زندگی پر کہ آپ کی ازواجِ مطہرات جو درونِ خانہ گزارنے والی زندگی کی ہر ساعت کی محرم راز اور واقف حال

تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شب و روز کی خلوت کے احوال کو جس طرح دیکھتیں من وعن ، بلاکم وکاست سب سے برملا بیان کر دیتی تھیں ۔ یہ دنیاوی روش سے کتنی برعکس بات ہے کہ عام بیویاں تو شوہروں کی باتوں کو چھپاتی ہیں کہ کہیں کوئی راز اُن کی رسوائی کا سبب نہ بن جائے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج سب باتیں کھول کھول کر آپ کے پیروکاروں اور نام لیواؤں پر ظاہر کرتی ہیں ۔

حیاتِ طیّبہ کا کوئی گوشہ چشمِ عالم سے مخفی نہیں

سرکارِ دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی اپنی تمام تر جزئیات وتفصیلات کے ساتھ کتبِ تاریخ وسیر میں مبسوط انداز سے ریکارڈ کی جا چکی ہے ۔ آپ کی حیاتِ طیّبہ کا کوئی گوشہ اور پہلو ایسا نہیں جس کا تعلق خواہ گھر سے باہر جلوت کی زندگی سے ہو جیسے مجالس کا حال کاروبار وتجارت ، لین دین ، دوستوں اور قرابت داروں سے باہمی تعلقات اور غزوات وغیرہ یا آپ کی خانگی زندگی کے احوال سے جن میں ازواجِ مطہرات سے خلوت میں گفتگو اور گھر میں پیش آنے والے سینکڑوں معاملات شامل ہیں جنہیں تفصیل سے قلم بند اور محفوظ نہ کر لیا گیا ہو ۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوانحی حالات و واقعات کا پورا لفظی مرقع موجود ہے ۔ دنیا کی تمام قابلِ ذکر زبانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ اور سیرتِ مبارکہ پر کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جا رہی ہیں جن سے استفادہ کر کے ہر شخص خواہ اس کا تعلق دنیا کے کسی خطے سے ہو سیر حاصل معلومات حاصل کر سکتا ہے ۔

حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اور شخصیت ہر قسم کے جھول نقص ، عیب اور خامی سے یکسر پاک ہے اور آپ کی جلوت وخلوت کی زندگی میں کسی تضاد اور دورنگی کا شائبہ تک نہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات اور اہلِ خانہ سے کہہ رکھا تھا کہ جو کچھ مجھ میں دیکھو اسے من وعن دوسروں تک پہنچا دو ۔ گویا ایک طرح کا

اذن عام تھا کہ کسی بات کو پردہ اخفا میں نہ رکھا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

بلغوا عنی ولو آیۃ — مجھ سے سیکھ کر دوسروں تک پہنچا دو خواہ ایک آیت ہی ہو[1]

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنتے لفظ بلفظ دوسروں تک پہنچا دیتے۔ اسی طرح ازواج مطہرات دن کے اجالے یا رات کی تاریکی میں جو کچھ سماعت فرماتیں یا مشاہدہ کرتیں اسے بلاکم وکاست بیان کر دیتیں۔ ان کا یہی معمول احادیث مبارکہ کے ایک وسیع ذخیرے کو جمع کرنے کی بنیاد بن گیا۔ اس ضمن میں تنہا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دو ہزار دو سو دس ۲۲۱۰ روایات بیان فرمائی ہیں جن کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم اور خلوت کی زندگی سے ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جو روایات بیان کی ہیں جنہیں کتب احادیث میں دیکھا جا سکتا ہے، اس سے الگ ہیں۔

چنانچہ یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے جس کا ورق ورق اوّل تا آخر چشم عالم پر آشکار ہے۔ یہ بھی ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ جس قدر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نجی، معاشرتی، عائلی، ازدواجی اور سیاسی زندگی پر لکھا گیا ہے دنیا کے کسی اور قائد اور راہنما کے بارے میں اتنا مواد اتنی تفصیل کے ساتھ میسر نہیں۔

فطری زندگی سے ہم آہنگ توازن و اعتدال

سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی کے بارے میں ایک خصوصی قابل توجہ

[1] البخاری، کتاب الانبیاء، ۱:۴۹۱

نکتہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوانحی حالات و واقعات شروع سے آخر تک پڑھ لیں آپ کو کسی جگہ افراط و تفریط اور عدم توازن کا کوئی پہلو نظر نہ آئے گا بلکہ ظاہر و باطن کے احوال میں کامل ہم آہنگی اور توافق (HARMONY) جھلکتا نظر آئے گا۔ اگر ایک طرف عبادت میں استغراق و انہماک خشوع و خضوع، تضرع و زاری اور عشق الٰہی کی کمال درجہ مستی نظر آئے گی تو دوسری طرف مجلسی و عائلی زندگی کے تقاضوں کی بجا آوری میں نظم و ضبط اور اہتمام قرینے کے ساتھ دکھائی دے گا اور کوئی گوشہ و پہلو ایسا نہ ہو گا جس کے بارے میں کہا جا سکے کہ اسے نظر انداز کیا گیا ہے۔ گویا حضور علیہ السلام کی پوری زندگی میں ہمہ گیریت اور میانہ روی، توازن و اعتدال کا رنگ بدرجۂ اتم نمایاں تھا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

؎ وقتِ ہیجا تیغ او آہن گداز
دیدۂ او اشک بار اندر نماز

(جنگ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار سے لوہا بھی پگھل جاتا لیکن جب آپ حالتِ نماز میں ہوتے تو آپ کی چشمانِ مقدس آنسوؤں سے تر ہوتیں)

ایک طرف خدا کی ذات سے راز و نیاز اور عرض و مناجات کا سلسلہ چلتا رہتا تو دوسری طرف انسانیت کو اصلاحِ احوال اور اخلاقِ حسنہ کی تعلیم بھی قرآن و حکمت کی روشنی میں دی جا رہی ہوتی۔

سیرتِ پاک کے مطالعے کے بعد اگر ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں تو

؏ ببیں تفاوت رہ از کجا تا بکجاست

کے مصداق ہمیں اپنی زندگی میں، اِلّاماشاءاللہ، بے اعتدالیوں حقوق اللہ اور حقوق العباد سے بے توجہی نجی، عائلی، سماجی اور سیاسی ذمہ داریوں سے پہلوتہی کی ایک طویل فہرست نظر آئے

گی ہم میں سے بعض اپنی مجلسی اور سیاسی زندگی کے ہنگاموں میں اس قدر کھو جاتے ہیں کہ اپنی گھریلو اور ازدواجی زندگی کے تقاضوں کو یکسر پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ غرض جس طرف بھی نگاہ دوڑلیجئے زندگی میں توازن و اعتدال کا فقدان اور افراط و تفریط کی کارفرمائی نظر آتی ہے اور ہمارے معاملات کی کوئی کل سیدھی دکھائی نہیں دیتی بلکہ ہر پہلو سے کجی ناہمواری اور عدم توازن کا احساس ابھرتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت مبارکہ کے بالاستیعاب مطالعے سے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی ایک مربوط اور مکمل اکائی کا احساس دلاتی ہے اس لئے آپ کی حیات طیبہ کو ابدالاباد تک تمام انسانوں کے لئے کامل نمونہ اور اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی اپنی پوری کلیت، اور جامعیت کیساتھ اس کا ایک ناقابل عمل معیار مہیا کرتی ہے جس پر پورا اتر کر ہی انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے اور وہ تقاضے پورے ہوتے ہیں جن کی بجاآوری اسلام کا مقصد وحید ہے۔

قرآنی فلسفۂ ازدواج

قرآن حکیم نے مرد اور عورت کو ایک دوسرے کا زوج (جوڑا) قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ	اور (نیز) اس کی نشانیوں میں سے ہے
مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا	کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے
لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ	جوڑے بنائے تاکہ تم ان سے سکون
بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً ط	پاؤ اور تمہارے درمیان (یعنی میاں

لہ

لہ الروم، ۳۰ : ۲۱

بیوی میں) محبت و ہمدردی پیدا کردی

اس آیۂ کریمہ میں لِتَسْکُنُوٓا اِلَیْھَا کے الفاظ سے جو فلسفہ و حکمت بیان فرمایا گیا ہے اس کی رو سے مرد اور عورت کے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کا بڑا مقصد یہ ہے کہ ان دونوں کا وجود ایک دوسرے کے لئے سرچشمۂ سکون و راحت و طمانیت ہو۔ گویا شادی کے پیچھے یہ مقصدیت کارفرما ہے کہ ایک معاشرے میں جہاں مسائل، پریشانیوں اور رنج و آلام کی بھرمار ہے میاں بیوی کا ازدواجی تعلق ایک دوسرے کے دکھوں کے مداوا اور سکون و آرام پر منتج ہو اور یہ دنیا ایک جنتِ ارضی کا نمونہ بن جائے۔ یہ مقصد تبھی حاصل ہو سکتا ہے جب زن و شوہر کا باہمی تعلق محبت و مودّت، اعتماد اور وفاداری بشرطِ استواری پر مبنی ہو۔ ایک دوسرے کی ذات میں سکون و طمانیت کی تلاش اسلام میں نہ صرف یہ کہ ضروری ہے بلکہ عین منشائے ازدواج ہے۔ نکاح ایک مقدس عہدنامہ ہے جس کی پابندی دونوں فریق کے لئے لازمی و لابدی ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ رشتۂ ازدواج تعلق باللہ میں حارج نہیں ہونا چاہئے۔ خدا کی ذات کے ساتھ تعلقِ بندگی اور عشقِ الٰہی کا رشتہ کسی حالت میں کمزور نہیں پڑنا چاہیئے۔ میاں بیوی کے درمیان محبت و مودّت کا تعلق بہرحال رضائے الٰہی کے تابع ہونے سے ہی زندگی دائمی سکون و راحت کا گہوارہ بنتی ہے۔ رضائے الٰہی ہی وہ محور ہے جس پر ہماری زندگی کے تمام اعمال و افعال کا دار و مدار ہے اور اس سے صرفِ نظر کرنے سے بیوی بچوں کی محبت اور گھریلو احوال میں دلچسپی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی بجا آوری میں کوتاہی کا موجب بنتی ہے۔ ان دونوں پہلوؤں کی ذمہ داریاں نبھانے اور حقوق اللہ کی بجا آوری سے ہی منشائے خداوندی کی تکمیل ہوتی ہے۔

احسان کا بدلہ احسان

تذکارِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا روایات کے آئینہ میں

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اور فروغ دعوتِ اسلام کے لئے جس ایثار کیشی اور بے نفسی کا ثبوت دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس کا صلہ و جزا جو اللہ رب العزت کی طرف سے انہیں عطا ہوا وہ قرآنی ارشاد کی رُو سے دنیوی اور اخروی زندگی میں انہی کا حصّہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا:

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ؕ [1]	اور احسان کا بدلہ بھی احسان کے سوا کیا ہے؟

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی ذاتِ ستودہ صفات سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس قدر محبت و شیفتگی تھی کہ ان کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوسری شادی نہ کی اور پچیس سالہ ازدواجی زندگی وہ بلا شرکتِ غیرے حقِ رفاقت ادا کرتی رہیں۔

ابنِ ہشام نے کہا:

وكانت اول امرأة تزوجها رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ولم يتزوج عليها غيرها حتى ماتت رضي الله عنها [2]	یہ وہ پہلی عورت تھیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عقد فرمایا۔ ان کی زندگی میں آپ نے کوئی دوسرا عقد نہ کیا یہاں تک کہ وہ انتقال کر گئیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہے

---

[1] الرحمٰن ۵۵: ۶۰ [2] السیرۃ النبویہ لابن ہشام ۱: ۱۲۳

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے متعدد روایات کتب احادیث میں درج ہیں ۔ وہ فرماتی ہیں کہ مجھے اپنی زندگی میں حضرت خدیجہ سے زیادہ کسی اور خاتون کی قسمت پر رشک نہیں آیا حالانکہ میں نے انہیں کبھی نہ دیکھا تھا اور وہ میری شادی سے بہت پہلے وفات پا چکی تھیں ۔ یہ روایت ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے ۔

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت : ما غرت علی امراۃ للنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما غرت علی خدیجۃ رضی اللہ عنہا ھلکت قبل ان یتزوجنی لما کنت اسمعہ یذکرھا [1]	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی پر اتنا رشک نہیں کرتی جتنا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر حالانکہ وہ میرے نکاح سے پہلے ہی وفات پا چکی تھیں لیکن میں آپ کو ان کا ذکر فرماتے ہوئے سنتی تھی ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حیات ظاہری کے آخری ایام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا ذکر اس کثرت سے فرمایا کرتے کہ بارہا ایسا ہوتا کہ میں رشک آمیز جذبات کی شدت سے مغلوب ہو جاتی اور بعض اوقات تقاضائے طبعی سے مجبور ہو کر گلہ کرنے لگتی ۔ بعد میں مجھے اس کا دکھ بھی ہوتا ۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماضی کی بیتی ہوئی یادوں کا ذکر کر رہے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر اس کثرت سے درمیان میں آیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بے اختیار کہنے لگیں کہ کیا خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوا کوئی عورت ہی نہیں ؟

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب، ۱ : ۵۳۸

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس کے الفاظ یہ ہیں :

قلت له كانه لم تكن فى الدنيا امراة الا خديجة [1]	(بعض اوقات) میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیتی کہ دنیا میں خدیجہ کے سوا کوئی عورت ہی نہیں !

حق بات یہ ہے کہ جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہہ سکتی تھیں، آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیوی ہونے کے ناطے انہیں اپنے قلبی محسوسات کے اظہار کا حق تھا۔ ازدواجی زندگی کے یہ متنوع مظاہر بشریت کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں اور ان میں کوئی خلافِ معمول انہونی بات نہیں کہ ان کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانی، عرفانی اور لاہوتی زندگی سے نہیں بلکہ بشری لوازمات سے ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں جواب دیا :

فیقول :	آپ فرماتے :
انها كانت وكان لى منها ولد [2]	وہ ایسی تھی اور اس سے میری اولاد ہے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ان احسانات کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے جو انہوں نے اعلان نبوت کے بعد آپ پر فروغ اسلام کے لئے کیے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں بہت بڑا اجر عطا فرمایا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت اس طرح ہے :

[1،2] صحیح بخاری، کتاب المناقب

عن ابی هریرہ، قال : اتی جبرائیل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال: یا رسول اللّٰہ! ھٰذہ خدیجۃ قد اتت معھا اناءٌ فیہ ادام وطعام فاذا اتتك فاقرأ علیھا السلام من ربھا ومنی وبشرھا ببیت فی الجنۃ من قصب لا صخب فیہ ولا نصب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبرائیل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ! یہ خدیجہ ایک برتن لے کر آرہی ہیں جس میں سالن اور کھانا ہے جب وہ آپ کے پاس آئیں اس کے رب اور میری طرف سے اس کو سلام کہیں اور جنت میں ایک ایسے گھر کی خوشخبری دیں جو کھوکھلے موتی سے ہے اس میں نہ شور ہے نہ رنج ۔

لہ

اس حدیث سے مترشح ہے کہ اللہ رب العزت نے اس خدمت، محبت اور ایثار و وفا کی جزا میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں ایک خاص محل عطا کیا جس میں موتی جڑے ہوئے ہیں۔ گویا وہ محل موتی محل سے موسوم ہے جو اللہ تعالیٰ نے انعام کے طور پر عطا کیا ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے قلبی تعلق کا عالم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کوئی جانور ذبح فرماتے تو اس کا گوشت بڑے اہتمام کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

لہ صحیح بخاری کتاب المناقب

کی سہیلیوں کے گھر پہنچاتے

وکان رسول اللہ صلے اللہ علیہ	حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بکری ذبح
وسلم اذا ذبح الشاۃ	کرتے تو فرماتے اس کو خدیجہ رضی اللہ عنہا
فیقول ارسلوا بھا الی	کی سہیلیوں کی طرف بھیج دو
اصدقاء خدیجہ [1]	

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ گھر میں کبھی گوشت پکا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تناول فرمانے سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یاد نہ فرمایا ہو اور وہ گوشت ان کی سہیلیوں کو نہ بھجوایا ہو۔ ان کی وفات کے سالہا سال بعد جب قلبی وابستگی اور تعلق کا یہ عالم تھا تو ان کی زندگی میں محبت کا والہانہ پن نہ جانے کس درجہ کا ہوگا!

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد کس درجہ سمائی ہوئی تھی؛ اس کا اندازہ ایک حدیث پاک سے ہوجاتا ہے۔

روایت میں یوں مذکور ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ایک بہن ھالہ بن خویلد تھیں جن کی آواز حضرت خدیجہ سے کافی مشابہ تھی۔ وہ ایک دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے مدینہ آئیں اور گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت چاہی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کی آواز سنتے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بے اختیار حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد آگئی اور وہی زمانہ آنکھوں میں پھر گیا جب وہ زندہ تھیں۔ ایک عجیب کیفیت آپ پر طاری ہوگئی۔ وہ اندر آئیں تو انہیں دیکھ کر آپ بے ساختہ فرمانے لگے:

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح۔ باب مناقب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : ۵۷۳

"اوہ خدایا ! یہ تو ہالہ ہے۔ (ایک لمحہ کیلئے میں یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ خدیجہ آگئی ہیں)"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں :

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
استاذنت هالة بنت خويلد	سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ
اخت خديجة على رسول	رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ بنت خویلد
الله صلى الله عليه وسلم	نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے
فعرف استئذان خديجة	اندر آنے کی اجازت مانگی تو آپ
فارتاع لذلك فقال:	اسے حضرت خدیجہ کا اجازت طلب
"اللّٰهم هالة"	کرنا سمجھ کر کانپ اٹھے اور فرمایا

"خدایا ! یہ تو ہالہ ہے" [1]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد آخری وقت تک محو نہ ہو سکی۔ اسے کوئی بشری کمزوری نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ یہ عین تقاضائے فطرت ہے اور ارشاد قرآنی لتسکنوا الیھا کے عین مطابق منشائے خداوندی بھی ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے محبت و مودت کا رشتہ ان کی وفات کے بعد بھی قائم رہا اور ان کی یاد آخر وقت تک نہاں خانۂ دل میں موجود رہی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو شدت سے یاد فرما رہے تھے کہ میں نے کہا "یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ اس سرخ رخساروں والی بڑھیا کو آج تک نہیں بھولے حالانکہ اسے فوت ہوئے ایک زمانہ بیت چکا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے کہیں

[1] البخاری کتاب المناقب ۱: ۵۳۹

بہتر بیوی (اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے) آپ کو عطا کی ہے"۔

میاں بیوی کے درمیان یہ ناز و ادا اور لاڈ کی بات تھی جسے حضرت عائشہ ہی کہہ سکتی تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے کبیدۂ خاطر اور رنجیدہ نہ ہوئے۔ آپ نے حضرت عائشہ کو جو جواب مرحمت فرمایا اسے امام عسقلانیؒ، ابن حجر اور امام بخاریؒ سمیت متعدد ائمہ حدیث نے نقل کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے عائشہ! اس دنیا میں خدیجہ کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔ میرے اعلانِ نبوت کے بعد جب تمام دنیائے کفر و شرک میری رسالت کا انکار کر رہی تھی خدیجہ ہی وہ واحد ہستی تھی جو مجھ پر ایمان لائی، جب میرا کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا اور تجارتی کاروبار نبوت و رسالت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے ٹھپ ہو چکا تھا یہ خدیجہ ہی تھی جنہوں نے اپنے مال سے میری مدد کی اور فریضۂ نبوت کی بجا آوری میں میری تائید و حمایت کی۔" پھر فرمایا، "یہ خدیجہ ہی تھیں جنہیں اللہ نے میری اولاد کے لئے منتخب فرمایا۔" [۱]

یہ اشارہ چار بیٹوں اور چار بیٹیوں پر مشتمل اولاد کی طرف تھا جن میں سوائے ایک بیٹے ابراہیمؑ کے باقی سب حضرت خدیجہ کے بطن سے متولد ہوئے تھے۔ بیٹا ابراہیمؑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے تھا۔ باقی شہزادوں اور شہزادیوں کے نام بالترتیب قاسمؓ، طاہر، طیب، زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمۃ الزہرا (رضوان اللہ علیہم اجمعین) رکھے گئے۔ بعض اربابِ تاریخ و سیر نے بیٹوں کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چار نہیں تین بیٹے تھے۔ طیب اور طاہر دو کی بجائے ایک ہی صاحبزادے کا نام تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اور روایت یوں بیان کرتی ہیں کہ ایک دن

۱۔ (صحیح بخاری، کتاب المناقب)

ہمارے گھر ایک معمر سالخوردہ خاتون آئیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے اور دیر تک کمال التفات اور محبت وشفقت سے محوِ گفتگو رہے۔ آپ نے اُن کی اور گھر والوں کی خیریت دریافت کی اور پوچھا کہ ہم جب مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ چلے آئے تو آپ لوگ کن کن حالات سے گزرے اور کیا کیا واقعات پیش آئے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی اپنائیت اور چاہت سے کرید کرید کر اس سے احوال پوچھتے رہے کہ مجھے اس بڑھیا پر رشک آنے لگا۔ جب وہ چلی گئی تو میں نے پوچھا " آقا! وہ بڑھیا کون تھی"؟ تو آپ نے فرمایا " وہ خدیجہ کی ایک سہیلی تھی۔ جب ہم مکہ میں رہتے تھے تو وہ اکثر ہمارے گھر آیا کرتی تھی۔ خدیجہ اس سے بہت محبت کرتی تھیں "۔

سیّدہ زینبؓ کا ہار ——— ایک رقت انگیز واقعہ

آخر میں ہم ایک واقعہ پر اپنے بیان کو ختم کرتے ہیں جسے ابن ہشام نے نقل کیا اور جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ذات سے کس قدر والہانہ لگاؤ تھا۔

واقعہ اس طرح سے ہے کہ غزوۂ بدر میں جو قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے ان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا خاوند ابوالعاص بھی شامل تھا۔ یاد رہے کہ اس وقت تک کافر و مشرک سے نکاح کی ممانعت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ ابوالعاص کو دوسرے اسیران بدر کے ہمراہ مدینہ لایا گیا۔ صحابہؓ کے مشورے سے اس بات پر اتفاق ہوا کہ ان قیدیوں کو جو فدیہ ادا کر سکیں فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند کو فدیہ دینے کے لئے کہا گیا۔ اس نے اپنی بیوی کو جو اس وقت مکہ میں تھیں پیغام بھجوایا کہ میری رہائی کے لئے

پیسے بھجوا دیے جائیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس کوئی رقم نہیں تھی۔ انہوں نے وہ ہار جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے جہیز میں ملا تھا فدیے کے طور پر مدینہ بھجوا دیا۔ جب وہ ہار حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش ہوا تو اسے دیکھ کر حضور علیہ السلام کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد آگئی اور بے اختیار آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے چشمان مبارک سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اِس رقت آنگیز منظر نے صحابہؓ کو بھی رُلا دیا اور وہ آبدیدہ ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"اگر تم اس بات کی مجھے اجازت دو تو یہ ہار جو زینبؓ کی ماں کی نشانی ہے اسے واپس کر دیا جائے اور ابوالعاص کی رہائی کی دوسری صورت اختیار کی جائے یعنی دس بچوں کو خواندہ بنانے کے عوض اسے آزاد کر دیا جائے۔"

صحابہ کرامؓ عرض کرنے لگے۔

"آقا! یہ یادگار ہار لوٹا دیا جائے ہم اس کے عوض اپنا مال دینے کو تیار ہیں"

آج کے دور کی تعلیم یافتہ اور ترقی پسند خواتین کو ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی روشن اور فرخندہ سیرت سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ انہوں نے جس طرح متموّل اور صاحبِ حیثیت ہوتے ہوئے اپنے سے کم مالی حیثیت رکھنے والے جوان کو محض تقویٰ، پارسائی اور دیگر اوصافِ حمیدہ کی بنا پر شادی کیلئے منتخب فرمایا جبکہ وہ اس سے پہلے بڑے بڑے رؤسائے مکہ کی پیش کشوں کو ٹھکرا چکی تھیں۔ اس میں طبقۂ نسواں کے لیے ایک بڑی مثال ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سیرتِ پاک ہماری روشن خیال خواتین کے لیے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔

کاش ہماری مائیں بہنیں اور بیٹیاں اس سے روشنی اخذ کر کے اپنی زندگی کے خدّوخال کو سنوار سکیں۔